اخبار امت

عراق پر امریکی حملے: پس منظر و پیش منظر

حافظ محمد ادریس

دنیا کی نام نہاد سپر طاقت امریکہ نے ۱۷/ دسمبر ۱۹۹۸ کو اپنے بعض اتحادی ممالک خصوصاً برطانیہ کے ساتھ مل کر عراق پر جو ظالمانہ حملے کیے ہیں، بحیثیت مجموعی دنیا میں ان پر احتجاج کیا گیا ہے۔ ان حملوں کو کسی بھی پیمانے سے منصفانہ اور جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان حملوں کی اصل وجہ کیا ہے؟ یہ کوئی سربستہ راز نہیں ہے۔ دراصل خلیج میں دو چیزوں کو امریکہ کی تمام پالیسیوں میں بڑی اہم اور نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ان میں پہلی اسرائیل ہے اور دوسری پٹرولیم کی ثروت۔ اسرائیل اپنے قیام کے وقت سے لے کر آج تک امریکہ کا منظور نظر ہے اور اس کی حفاظت اور اس کو پیش آنے والے تمام خطرات کا دفاع امریکہ اپنی بنیادی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ پھر خلیجی علاقے میں تیل کی دولت امریکہ کو بہت عزیز ہے اور امریکہ اس دولت پر عملاً قبضہ کر چکا ہے۔ اپنے اس قبضے کو دوام دینے کے لیے وہ ہر حربہ اختیار کرنا اپنا جائز اور قانونی حق سمجھتا ہے۔

عراق عرب دنیا کا ایک اہم ملک ہے جو خلافت راشدہ کے دور ہی سے اسلامی امت کا حصہ رہا ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت کے اس ملک میں عربوں کے علاوہ کرد بھی آباد ہیں۔ عراق کی کل آبادی دو کروڑ سے کچھ زائد ہے۔ اس کی دولت کا اصل راز پٹرولیم ہے، اگرچہ دریائے دجلہ اور فرات کی وجہ سے اس میں زرعی علاقے بھی موجود ہیں۔ عراق کا موجودہ حکمران صدام حسین اپنی سرشت کے لحاظ سے اور اپنے تاریخی ریکارڈ کے حوالے سے ایک سخت گیر، ظالم، منتقم مزاج اور نہایت رعونت پسند آمر مطلق ہے۔ صدام حسین اس ملک پر ۱۶/ جولائی ۱۹۷۹ سے اب تک تقریباً بلا شرکت غیرے حکومت کر رہا ہے۔ اس کے بہت سے ساتھی اس کے انتقام کا نشانہ بنے اور دردناک انجام سے دوچار ہوئے۔ اپنے قریبی ساتھیوں کے علاوہ اپنے رشتے داروں میں سے بھی جس کسی کے بارے میں اسے خدشہ ہو کہ اس کی وفاداری مشکوک

ہے، اسے ٹھکانے لگانے میں وہ کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

صدام حسین کو زیادہ شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب مغربی دنیا کی اشیرباد سے اس نے ایران کے ساتھ جنگ شروع کی۔ بہ ظاہر اس جنگ کا آغاز شط العرب پر ایرانی اور عراقی دعووں کی وجہ سے ہوا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے لیے بہت طویل منصوبہ بندی کی گئی تھی اور امریکہ اور اس کے ادارے اس میں شامل تھے۔ جب امریکہ ایرانی انقلاب کے بعد ایران سے ذلیل و رسوا ہو کر نکلا اور اس کے دوست شاہ ایران کو بھی ایران سے نکال دیا گیا تو امریکہ نے ایران کے خلاف کچھ فوجی کارروائیاں کیں مگر وہ ناکام ہوئیں۔ اب امریکہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا اور وہ اس طرح کہ عراق کو تیار کر کے ایران پر چڑھا دیا جائے اور ایران کو اس کی سرکشی کا مزہ چکھا دیا جائے۔ دوسری طرف عراق کی قوت ایران کے مقابلے میں کمزور ہوگی تو اسرائیل کو اس سے بالواسطہ فائدہ پہنچے گا۔

۲۲/ستمبر ۱۹۸۱ کو شروع ہونے والی عراق وایران کی یہ جنگ وقفوں وقفوں سے تقریباً آٹھ سال جاری رہی اور اگست ۱۹۸۸ میں آخرکار یہ جنگ اختتام پذیر ہوئی۔ اس کے نتیجے میں ایران بری طرح معاشی مشکلات کا شکار ہو گیا۔ عراق کو بھی کافی نقصان اٹھانا پڑا مگر اس کے باوجود وہ اس لحاظ سے فائدے میں رہا کہ عرب دنیا کے تمام ممالک اس کی پشت پر تھے اور ان کی دولت اس پر واری جارہی تھی۔ وہی صدام حسین جو کویت پر حملے کے بعد شیطان، ملحد، بعثی، دہشت گرد کہلایا، ایران عراق جنگ کے دوران صلاح الدین ثانی، مجاہد کبیر، بطل جلیل کے القاب سے یاد کیا جاتا رہا۔ صدام اس وقت بھی خطرناک عزائم رکھتا تھا اور اب بھی اس کے عزائم ویسے ہی ہیں، مگر اپنے مقاصد کی خاطر لوگوں کی ترجیحات بدلتی رہتی ہیں۔ ایران کے مقابلے پر امریکی اشیرباد اسے مکمل طور پر حاصل تھی اس لیے اس عرصے میں عراق نے اپنے دفاعی سامان کے کارخانوں کو اچھی طرح منظم کر لیا۔ اسی زمانے میں یہ خیال پوری مغربی دنیا میں عام ہو گیا کہ عراق کے پاس کیمیاوی ہتھیار تیار کرنے کا وسیع نظام موجود ہے۔ نیز نیوکلیر قوت کے طور پر دنیا میں اپنا سکہ منوانے کا اس نے انتظام کر لیا ہے۔ اسی دوران ۷/جون ۱۹۸۱ جب ایران عراق جنگ زوروں پر تھی اسرائیلی جیٹ طیاروں نے بغداد کے قریب عراق کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کر کے انھیں تباہ و برباد کر دیا۔ مگر اس پر امریکہ نے نہ تو اسرائیل کو کوئی وارننگ دی اور نہ اس غیر قانونی حملے پر مغربی دنیا میں کوئی احتجاج ہوا۔

ایران عراق جنگ کے بعد یہ سمجھا جا رہا تھا کہ عراق کے پاس ایسے میزائل اور ایسا اسلحہ موجود ہے کہ وہ کسی وقت بھی اسرائیل پر حملہ آور ہو جائے تو اسرائیل کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ چنانچہ اب امریکہ نے ایک اور سازش تیار کی۔ اس سازش کے ذریعے امریکہ ایک طرف تو مشرق وسطیٰ میں اپنے پاؤں جمانے کے لیے مضبوط اڈے (base) کا متلاشی تھا اور دوسری طرف عراق کو باقی عرب دنیا سے کاٹ کر اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ امریکہ ہی کے اشارے اور اس کی منصوبہ

بندی کے تحت ۲/اگست ۱۹۹۰ کو عراقی فوجوں نے کویت پر حملہ کر دیا اور اس کے تمام علاقے پر قبضہ کر لیا جس کے نتیجے میں کویت کی حکومت جلاوطن ہو گئی۔ کویتی عوام اس ناگہانی حملے کے نتیجے میں مصائب کا شکار ہوئے۔

کویت پر عراق کا حملہ ایک بہت بڑا بحران تھا جس نے نہ صرف مشرق وسطیٰ کو بلکہ پوری اسلامی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ امریکہ نے اقوام متحدہ سے منظوری لے کر کئی ممالک کی فوج جمع کی اور عراق پر حملہ کیا۔ اس آپریشن ڈیزرٹ اسٹارم کے نتیجے میں عراق کی فوج کو بری طرح پسپا ہونا پڑا۔ اسی وقت جب عراق کے خلاف پابندیاں (sanctions) عائد کرنے کا فیصلہ ہوا تو اس کا معاشی بائیکاٹ بھی کر دیا گیا۔ نتیجتاً عراق کے مظلوم عوام کو ایک بہت ہی خطرناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔

اگر امریکہ کا ہدف صدام ہوتا تو ایسے حالات میں صدام کو راستے سے ہٹانا کچھ بھی مشکل نہ تھا مگر امریکہ کا ہدف صدام نہیں، بلکہ تیل کے کنویں تھے جن پر قبضہ کرنے اور وہاں مستقل طور پر ڈیرے ڈالنے کے لیے صدام کا وجود ضروری تھا۔ چنانچہ صدام تو باقی رہا لیکن جو پابندیاں لگیں اس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں بچے، بوڑھے، مرد اور عورتیں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ زندگی بچانے کی دوائیں بھی عراق کو حاصل نہ تھیں۔ اس پر تیل فروخت کرنے پر بھی پابندی لگا دی گئی اور پوری دنیا نے اسے عملاً کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ لیبیا کی طرح عراق پر نو فلائی زون کی پابندی بھی لگا دی گئی۔ اس کے باوجود امریکہ کو یہ خیال رہا کہ عراق نے جنگی سازوسامان تیار کرنے کی فیکٹریاں خفیہ طور پر چلا رکھی ہیں اور ان سے وہ ایسا اسلحہ تیار کر رہا ہے جس سے اسرائیل کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، چنانچہ امریکہ نے عراق کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ کسی وقت بھی عراق پر حملہ ہو سکتا ہے۔ اور آخرکار برطانیہ کے ساتھ مل کر ۱۷/دسمبر ۱۹۹۸ کو حملہ کر دیا۔

اس دفعہ کے حملے اور ماضی کے حملے میں ایک بنیادی فرق یہ تھا کہ اس بار امریکہ کے بہت سارے مضبوط اتحادی اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور اس کے روایتی مخالف دھڑے نے بھی کھل کر اس کے عمل کی مذمت کی۔ فرانس نے امریکہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور ان حملوں کو بلاجواز قرار دیا۔ جرمنی اور اٹلی بھی جنگ میں شامل نہ ہوئے اور چین اور روس نے کھل کر ان حملوں کی مذمت کی۔ پوری دنیا میں رائے عامہ نے امریکہ کی مذمت کی ہے مگر مسلمان حکومتوں کی طرف سے کوئی مضبوط موقف سامنے نہیں آیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس مرتبہ محض کویت کے اڈے استعمال کیے گئے اور سعودی عرب نے اپنے اڈے امریکہ کو استعمال کرنے سے روک دیا۔ ساتھ ہی اپنے ذرائع ابلاغ سے وہ مسلسل یہ نشر کرتے رہے کہ سعودی عرب کی سرزمین سے عراق پر کوئی حملہ نہیں ہوا، عراق کو سعودی عرب کے بارے میں معاندانہ سوچ ترک کر دینی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ متحدہ عرب امارات نے کھل کر امریکہ کی مذمت کی اور عراقی عوام کے ساتھ یک جہتی کا اعلان کیا۔ یہ ایک بڑی تبدیلی ہے مگر اس کے باوجود اسے کافی نہیں سمجھا جا سکتا۔

مسلمان ممالک خصوصاً پاکستان کو جو ایٹمی دھماکا کر چکا ہے' عراق کے عبرت ناک انجام سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ عراق نے ان معاہدوں پر دستخط کر رکھے ہیں جن پر پاکستان دستخط کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے اور غالباً ستمبر ۱۹۹۹ سے قبل عملاً دستخط ہو جائیں گے۔ ان دستخطوں کے بعد پاکستان کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا' یہ کوئی راز نہیں مگر مسلمان حکمرانوں کی بے حسی اور بزدلی نے امریکہ کو شیر بنا دیا ہے اور وہ اپنی من مانی کارروائیاں پورے دھڑلے سے کرتا چلا جا رہا ہے۔ تبدیلی اس لحاظ سے بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ اس مرتبہ خود یورپ اور امریکہ کے اندر امریکی اور یورپی باشندوں نے بھی ان حملوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے جب کہ سابقہ حملوں کے وقت پورا مغربی معاشرہ عراق کے خلاف ان حملوں کی پشت پر تھا۔ اگر مسلمان ممالک کوئی مضبوط موقف اپناتے اور ان حملوں کے مقابلے پر اپنی طرف سے نہ صرف یہ کہ عراق کی حمایت کرتے بلکہ امریکہ کو متنبہ کرتے کہ وہ اس اقدام کے نتیجے میں اس سے اپنے تعلقات منقطع کر سکتے ہیں تو شاید امریکہ کو ایسا حملہ کرنے کی جرات نہ ہوتی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ممالک کی قیادتیں کسی ایسے تدبر اور بصیرت سے محروم ہیں جس کے نتیجے میں کوئی فیصلہ کن انقلابی قدم اٹھایا جا سکے۔

دنیاے عرب میں تین ممالک ایسے تھے جن سے اسرائیل کو خطرہ ہو سکتا تھا۔ ان میں سے ایک تو مصر تھا جو اپنی تعداد' فوج اور وسائل کے لحاظ سے اسرائیل کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ انور سادات کے دور میں (۶/ اکتوبر ۱۹۷۳) اسرائیل کے مقابلے میں مصری فوج نے جو کامیابی حاصل کی وہ اس کی دلیل ہے کہ اگر مصر کسی وقت اسرائیل کا مقابلہ کرنا چاہے تو شاید اس کے مقابلے کی سکت رکھتا ہے۔ تاہم یہ المیہ ہے کہ مصر کو کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے ذریعے سے مکمل طور پر بے اثر کر دیا گیا۔ اسرائیل اور مصر کے سفارتی تعلقات قائم کروا دیے گئے۔ امریکہ نے مصر کے دانت نکال دیے ہیں اس لیے مصر سے اسرائیل کو اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ پھر مصر کو قرضوں کے جال میں بری طرح سے جکڑ لیا گیا ہے کہ وہ امریکہ کی مرضی کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں۔ دوسری قوت عراق ہو سکتا تھا جس کے بارے میں یہ خیال عام تھا کہ اس نے ایٹمی اور کیمیاوی ہتھیاروں کے میدان میں کافی پیش رفت کی ہے اور اس کے پاس مختلف قسم کے مہلک ہتھیار اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں کہ یہ اسرائیل کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ عراق کو بھی پے در پے سازشوں کے ذریعے بے دست و پا کر دیا گیا ہے کہ اس سے بھی اب اسرائیل کو کوئی خطرہ نہیں۔ وسائل کے لحاظ سے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کا روحانی مرکز ہونے کی حیثیت سے سعودی عرب کا بھی ایک ایسا مقام تھا کہ وہ بھی کسی وقت اگر کوئی انقلابی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں آ جاتا یا وہاں کوئی ایسی قیادت ابھر آتی جو انقلابی فیصلے کر سکتی تو اس سے بھی دنیا کے مسلمانوں کو حوصلہ ملتا اور وہ سعودی عرب کے گرد جمع ہو جاتے۔ اس کے نتیجے میں اسرائیل کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا' مگر سعودی عرب کے جملہ امور و معاملات میں امریکہ اس قدر دخیل ہو چکا ہے کہ اب صرف سیاسی دباؤ ہی نہیں بلکہ عسکری دباؤ بھی واضح

طور پر نظر آ رہا ہے۔ عراق ہی کا ہوا دکھا کر امریکہ نے سعودی عرب کے دفاع کی ذمہ داری لے رکھی ہے جس کی بھاری قیمت سعودی عرب ادا کر رہا ہے اور شاید مدت تک کرتا رہے گا۔ امریکہ اب ایک جانب ان امیر ممالک کی معیشت پر قبضہ کر چکا ہے اور دوسری جانب جغرافیائی طور پر بھی ان کے اوپر اس کا تسلط اتنا مضبوط ہے کہ اس کو آسانی سے توڑا جانا ممکن نظر نہیں آتا۔

عراق پر آٹھ سال قبل لگنے والی تجارتی پابندیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق اپنی دولت صرف کر کے بھی ضرورت کی چیزیں خریدنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اور اب تک نہیں ہے۔ اس کے نتیجے میں ۹' ۱۰ ہزار عراقی باشندے جان کی بازی ہار بیٹھے ہیں۔ ان میں سے بعض خوراک کی کمی کی وجہ سے جو عراق دیگر ممالک سے درآمد کرتا تھا اور جو ان پابندیوں کی وجہ سے وہاں بروقت نہیں پہنچ سکی' موت کے گھاٹ اترے' جب کہ مرنے والوں کی ایک بڑی تعداد دوائیاں نہ ملنے کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئی۔

کویت کے معروف ہفت روزہ المجتمع نے ۴/جنوری ۱۹۹۸ کی اشاعت میں عراق کے آمر صدام حسین کے خلاف اپنے اداریے میں اس تازہ صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ سارا ڈراما امریکہ اور صدام حسین کی ملی بھگت سے زیادہ کچھ نہیں۔ اسلامی تحریکوں نے عراق کی طرف سے کویت پر حملے کے دنوں میں امریکہ کی مخالفت کا جو موقف اپنایا تھا اسے صدام حسین کی حمایت قرار دیا گیا مگر اب یہ حقیقت عیاں ہو گئی ہے کہ امریکہ اور صدام دونوں ہی مجرم تھے۔

المجتمع نے عراقی عوام پر توڑے جانے والے مظالم پر اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ عراق کی معیشت مکمل طور پر تباہ ہو گئی ہے۔ اس موقر عربی مجلے کے مطابق صورت حال یہ ہے: ۱۹۷۹ میں عراق میں فی کس آمدنی ۴۲۰۰ ڈالر تھی جب کہ ۱۹۹۸ میں گھٹ کر ۵۰۰ ڈالر فی کس آمدنی رہ گئی ہے اور یہ کمی مسلسل جاری ہے۔ مجلے کے مطابق ضروریات زندگی اور سہولیات کی درآمد کی صورت حال بھی ازحد تشویش ناک ہے۔ ۱۹۷۹ میں درآمدات کی اوسط سالانہ ۶۰۰ ڈالر فی کس تھی جو اس وقت کم ہو کر ۲۰ ڈالر فی کس رہ گئی ہے' بعض غریب ممالک سے بھی کم۔ اس کی اصل وجہ معاشی بدحالی سے زیادہ تجارتی و معاشی پابندیاں ہیں۔ عراق دیگر عرب ممالک کی طرح قرضوں کے بوجھ تلے بھی دب گیا ہے۔ عراق کی بیرونی تجارت کا حجم ۱۹۸۷ میں ۹۷/ارب ڈالر تھا جو اب کم ہو کر صرف ۳۰۰ ملین ڈالر رہ گیا ہے۔ مجلے کے مطابق غیر ملکی قرضوں کا بوجھ ۷۰/ارب ڈالر ہے جب کہ کویتی جنگ کے نتیجے میں عراق پر ۲۰۰/ارب ڈالر کا تاوان الگ ہے۔

مغربی دنیا میں اگر کوئی جانور بھی ظلم کا شکار ہو جائے تو تہلکہ مچ جاتا ہے اور مختلف قسم کی تنظیمیں میدان میں نکل آتی ہیں اور احتجاج کا ایک لامتناہی سلسلہ ظلم کے خلاف مظلوم کی حمایت کے نام پر چلتا رہتا ہے۔ مگر یہاں عجیب بات ہے کہ نو دس ہزار انسانی جانیں ایک ناروا ظلم کے نتیجے میں معاشی پابندیوں سے

اور ہزاروں افراد مغربی افواج کے دونوں حملوں میں لقمہ اجل بنے' مگر اس پر مغربی دنیا میں کہیں بھی صدائے احتجاج بلند نہیں کی گئی۔ یہ مغرب کے دہرے معیار ہیں جن کی وجہ سے مغرب' دنیا کی قیادت کے منصب سے محروم کیے جانے کے قابل ہے اور قدرت کے فیصلے ایسے حالات میں یہی ہوا کرتے ہیں کہ وہ ایسی قوموں اور ایسے افراد کو قیادت سے ہٹا دیا کرتی ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ صدر بل کلنٹن کی جانب سے کیے جانے والے ان حملوں کو مغربی دنیا میں اس جنسی اسکینڈل کے تناظر میں بھی دیکھا گیا ہے جس میں صدر کا مواخذہ کیے جانے کا امکان تھا۔ ممکن ہے کہ صدر بل کلنٹن نے امریکی رائے عامہ کی توجہ ہٹانے کے لیے عراق پر حملہ کیا ہو۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ امریکی معاشرہ جس دیوالیہ پن کا شکار ہو گیا ہے اس سے قطعاً یہ امید نہیں کہ صدر بل کلنٹن کا کوئی مواخذہ ہو جائے بلکہ یہ بات انتہائی تشویش ناک ہے کہ دنیا کے بہ ظاہر اس سب سے طاقت ور ملک کی رائے عامہ اپنے سربراہ مملکت کے اس غیر اخلاقی ریکارڈ کے باوجود اسے زیادہ پسند کرنے لگی ہے۔ تازہ ترین جائزوں کے مطابق صدر کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ صدر بل کلنٹن ایک ایسا تاثر چھوڑ کر جانا چاہتا ہے کہ امریکی رائے عامہ اسے اسرائیل کا سرپرست' محافظ اور دوست شمار کرنے لگے۔ اس کے ساتھ کلنٹن بھی بش کی طرح ایک جنگ جو اور بزعم خویش "بہادر" صدر کی حیثیت سے وہائٹ ہاؤس سے رخصت ہونا چاہتا ہے مگر غیر جانب دار مورخ جب حقائق کا تجزیہ کرے گا تو کلنٹن کو جنسی بلے اور مکار لومڑ سے زیادہ کسی خطاب کا مستحق نہ گردانے گا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس آپریشن کو جو نام دیا گیا ہے وہ بھی صحرائی لومڑ ہے جو اسم بامسمّٰی ہے۔

اس طرح کے مواقع پر دنیا کا جو منظرنامہ سامنے آتا ہے وہ مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اتنی بڑی تعداد اور اتنے وسائل کے مالک ہونے کے باوجود' اتنے بے اثر کیوں ہیں۔ یقیناً اس لیے کہ امت کی طاقت مجتمع نہیں ہے اور ہمارے حکمرانوں کو امت کے مفادات سے زیادہ اپنے مفادات عزیز ہیں۔ دنیا کا نقشہ اس وقت تبدیل ہو گا جب امت مسلمہ میں اتنی بیداری اور شعور ہو کہ وہ اپنے ملک کا اقتدار ان ہی لوگوں کے سپرد کریں جنھیں امت کا مفاد عزیز تر ہو۔